

برداشت، انسانیت اور سوسائٹی کی معراج ہے

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَالْكَظِيمِ الْعَفِيفِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (آل عمران: 135)

(یعنی) وہ لوگ جو آسمان میں بھی خرچ کرتے ہیں اور تنگی میں بھی اور غصہ دبا جانے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

تمیں یہ بھی سناؤں اس بیاں میں
کہ عاشق کس کو کہتے ہیں جہاں میں
وہ عاشق ہے کہ جس کو حسبِ تقدیر
محبت کی کماں سے آ لگا تیر
نہ شہوت ہے نہ ہے کچھ نفس کا جوش
ہوا اُلفت کے پیاؤں سے مدہوش
لگی سینہ میں اُس کے آگ غم کی
نہیں اس کو خبر کچھ پیچ و خم کی

(در شمین)

معزز سامعین! ”مشاہدات“ کے پلیٹ فارم سے برداشت و تحمل اور عدم برداشت پر بہت سی تقاریر تیار ہو کر اور اخلاقیات، سیرت نبی پاک اور سیرت مسیح موعودؑ کی کتب کی زینت بن کر ویب سائٹ www.mushahadat.com پر اپلوڈ ہو چکی ہیں۔ جس سے ہزاروں لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ لیکن یہ ایک ایسا مضمون ہے جس پر جتنا بھی لکھا یا بولا جائے کم ہے کیونکہ آج کے ماؤی دنیا میں جس میں عدم برداشت بہت زیادہ ہے۔ گھر گھر، گلی گلی، بازار بازار، کوچہ کوچہ، کھیل کے میدانوں میں اور ملکی سطح پر عدم برداشت کا عنصر اتنا بڑھ چکا ہے کہ ایک دوسرے پر غصہ اور لڑائی جھگڑا عام ہے اور امن، محبت ڈھونڈے نہیں ملتی۔ گزشتہ دنوں ایک پروگرام میں ایک V Logger نے اپنی گفتگو کے دوران برداشت اور تحمل کے بارے میں ”برداشت، انسانیت اور سوسائٹی کی معراج ہے“ کا فقرہ استعمال کیا۔ جو بہت پسند آیا اور مجھے اس پر ایک تحریر لکھنے پر مجبور کر گیا۔ اخلاقیات میں برداشت کا لفظ ایسا ہے جو اخلاقی حسنہ کا نچوڑ یا خلاصہ ہے۔ اخلاقی حسنہ میں سے اکثریت کا کسی نہ کسی طرح ”برداشت“ کے ساتھ تعلق بنتا ہے یہ تعلق تھوڑا ہو یا زیادہ۔ جیسے صبر، رافت و نرمی، حلم، تحمل، بردباری، سہار، ایثار، عفو و درگزر، صلح کاری، غصہ پر قابو پانا، تواضع و انکساری، حسن معاشرت، پڑوسی کے حقوق، آدابِ کلام، آدابِ ملاقات، آدابِ مجالس، صحبت صالحین، ایفاءِ عہد، احترامِ انسانیت و آدمیت، اتحاد و اتفاق، محبت و اخوت، الفت و شفقت، انسان کا شکریہ، حوصلہ و جرأت، خوش خلقی وغیرہ وغیرہ۔ خاکسار نے بہت احتیاط کے ساتھ اخلاقی حسنہ میں سے 25 خُلق یہاں بیان کئے ہیں۔ جن کا ”برداشت“ کے ساتھ کسی نہ کسی رنگ میں تعلق بنتا ہے۔ یہ تعلق تھوڑا ہو یا زیادہ۔ عدم برداشت بہت سے اخلاقی حسنہ کو کھا جاتی ہے یا یوں کہہ لیں کہ اس کی آگ کی گرمائش باقی اخلاق کو بھسم کر دیتی ہے۔ تقریر کے عنوان ”برداشت، انسانیت اور سوسائٹی کی معراج ہے“ میں درج الفاظ کو اگر فیروز اللغات کے میزان پر تو لیں تو اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے جو میں نے اوپر بیان کیا ہے۔ لفظ ”معراج“ کے ایک معنی جو معراج کا لفظ ذہن میں آتے ہی دل و دماغ اور زبان پر آتا ہے وہ درجہ اعلیٰ اور وہ بلند مرتبہ کے ہیں

جن سے اوپر بلندی کا تصور نہ ہو سکے۔ ان معنوں کے علاوہ معراج کے ایک معنی زینہ اور سیڑھی کے ہیں۔ یعنی برداشت تمام اخلاقی فاضلہ پر چڑھنے کے لئے سیڑھی اور زینہ کا کام کرتا ہے۔ گویا کہ برداشت خُلق کو استعمال کر کے ہم باقی اخلاق کی چوٹی سر کر سکتے ہیں اور عنوان میں انسانیت اور سوسائٹی کے الفاظ بھی اس مضمون کی اہمیت و فضیلت کو مزید اجاگر کرتے ہیں۔ انسانیت کے تحت آدمیت، بشریت اور تہذیب جبکہ سوسائٹی کے الفاظ میں معاشرہ، سماج اور اجتماعی زندگی کے معانی و تفسیر آتی ہے۔ جن سے تقریر کا یہ عنوان مزید اہمیت اختیار کر جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ

”اخلاق ہی ساری ترقیات کا زینہ ہے۔ میری دانست میں یہی پہلو حقوق العباد کا ہے جو حقوق اللہ کے پہلو کو تقویت دیتا ہے۔“

سامعین! آج کل ایمان کی 70 شاخوں کا تذکرہ مشاہدات کے تحت مختلف تقاریر میں ہو رہا ہے۔ جن میں صبر و برداشت کے علاوہ وہ تمام خُلق بیان ہو رہے ہیں جن کو خاکسار برداشت کے تحت اوپر بیان کر آیا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حوالہ سے ایک موقع پر فرمایا کہ تین اخلاق، ایمان کا تقاضا ہیں۔ جن میں اول برداشت سے متعلق ہے۔ فرمایا کسی مومن کو غصہ آئے تو غصہ اُسے باطل اور گناہ میں مبتلا نہیں کر سکتا۔

(حدیقتہ الصالحین حدیث نمبر 783)

گویا کہ غصہ ایک حد تک جائز ہے ایسا غصہ منع ہے جو مومن کو گناہ میں مبتلا کر دے۔

بدتر ہو ہر ایک سے اپنے خیال میں

جس آیت کریمہ کی خاکسار نے آغاز میں تلاوت کی ہے۔ اُس میں قوت برداشت کی بہت اعلیٰ مثال بیان کی گئی ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک محفل میں حضرت حسنؑ پر آپؑ کے غلام سے چائے گر گئی جس سے آپؑ کے کپڑے خراب ہوئے۔ قبل اِس کے آپؑ غلام پر غصہ کرتے اور ناراض ہوتے اُس با علم اور سمجھدار غلام نے اسی آیت کا حصہ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ یعنی غصہ دبا جانے والے مومن پڑھ دی۔ جس پر حضرت حسنؑ نے كَلَّمْتُ کہہ کر اپنے غلام کو معاف فرمادیا۔ جو نبی حضرت حسنؑ کے منہ سے غلام نے كَلَّمْتُ کے الفاظ سنے اُس با علم غلام نے وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ کے الفاظ بول دیئے۔ جس پر حضرت حسنؑ نے کمال قوت برداشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے عَافَيْتُ کہہ کر اُسے معاف فرمادیا۔ چونکہ آپؑ کا یہ غلام قرآنی علم سے واقف تھا اِس لیے اُس نے اسی پر اکتفانہ کی بلکہ آیت کریمہ کا اگلا حصہ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ کہہ دیا جس پر اللہ کے برگزیدہ اور پاک بندے حضرت حسنؑ نے اَحْسَنْتُ کہہ کر اپنے غلام کو آزاد کر دیا۔ اب دیکھیں! حضرت حسنؑ نے جہاں کمال قسم کی قوت برداشت دکھائی وہاں کتنی نیکیاں اِس فعل کے ساتھ آجڑی اور آپؑ نے غصہ پینے، درگزر کرنے اور احسان کرنے کے خُلق اپنائے۔ پس یہ باسانی کہا جاسکتا ہے کہ برداشت بہت سی نیکیوں کی آماجگاہ ہے جبکہ عدم برداشت بہت سی بدیوں اور بُرائیوں اور کمیوں کا مجموعہ ہے۔ اوپر بیان ہونے والے واقعہ میں حضرت حسنؑ کے فعل کو اگر سورۃ الشوریٰ آیت 41 فَتَنِّ عَفَاْ وَاَصْلَحْ فَاجْزُهُ عَلٰی اللّٰهِ کے تناظر میں دیکھیں تو آپؑ نے غلام کو معاف کر کے اور آزادی دلا کر اپنے اللہ کے حضور بہت اجر پایا۔

سامعین! برداشت اور صبر کی کئی قسمیں ہیں۔ اول تو وہ صبر و برداشت ہے جو دوسروں خواہ وہ ہم جماعت یا ہم مذہب ہی ہوں کی طرف سے پہنچنے والی ایذا پر صبر کرنا اور اُس کی طرف سے پہنچائی گئی تکلیف کو اللہ کی خاطر، اسلام کی خاطر، محمدؐ کی خاطر، احمدیت کی خاطر برداشت کرنا۔ یہ برداشت اعلیٰ درجہ رکھتی ہے کیونکہ اِس میں اپنے ضمیر اور جذبات کی قربانی دینی پڑتی ہے۔ اپنے نفس کو مارنا پڑتا ہے۔ پھر دوسرے نمبر پر وہ برداشت ہے جو جسمانی بیماری پر تکلیف کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔ اِس میں بعض لوگوں کا برداشت بہت کمال کا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اِس ضمن میں حضرت ایوبؑ کے صبر کی مثال سورۃ صٰح آیت 42 تا 45 میں دی ہے۔ جب آپؑ کو کوڑھ کی تکلیف ہوئی۔ جب سب لوگ آپؑ کو چھوڑ گئے۔ آپؑ نے نہایت صبر سے اِس بیماری کو برداشت کیا اور دعاؤں میں لگے رہے، آپؑ کا صبر ”صبر ایوبؑ“ کے نام سے مشہور ہوا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے اِن آیات کی تفسیر میں فٹ نوٹ میں لکھا ہے کہ

”حضرت ایوبؑ کو شیطان نے جو دکھ پہنچایا تھا وہ بہت ہی دردناک تھا۔ بائبل کے مطابق بہت ہی سخت جلدی بیماری لگ گئی تھی۔ جس کی وجہ سے اہل و عیال بھی کراہت کرتے ہوئے اُن کو کوڑے کے ڈھیر پر چھوڑ گئے تھے۔ قرآن کریم نے کوئی ایسا ذکر نہیں فرمایا... اللہ تعالیٰ نے جب حضرت ایوبؑ کو شفا فرمادی تو نہ صرف کہ آپؑ کی خبر گیری کے لئے آپؑ کو اہل عطا کئے بلکہ اُن جیسی ایک فدائی جماعت بھی عطا کر دی گئی۔“

(فٹ نوٹ ترجمہ القرآن۔ صفحہ 807)

یعنی مومن کو صبر کے ساتھ اپنی بیماری کو صبر سے برداشت کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے یا تقدیر کے لئے کوئی ایسا فقرہ یا جملہ زبان پر نہیں لانا چاہئے بلکہ اللہ تعالیٰ کی تسبیحات اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھ کر دعاؤں میں لگے رہنا چاہئے۔ جبکہ ان مومنوں کے مقابل پر بعض لوگ معمولی سی بیماری پر اول قول کہنا شروع کر دیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی ناشکری کرتے ہیں اور آرام سے کہہ دیتے ہیں کہ پتہ نہیں، میں ہی اس بیماری کے لئے اللہ تعالیٰ کو ملاتا تھا۔

تیسرے نمبر پر آسانی و ناگہانی آفات و مشکلات کو بھی صبر و خوشی سے برداشت کرنا چاہئے۔ اس میں کاروبار ہے جو اچانک ختم ہو جائے، سیلاب و آندھی وغیرہ سے گھر تباہ و برباد ہو جائے، بچیوں کا رشتہ نہیں ہو رہا یا رشتہ کامیاب نہیں ہوا تو تقدیر کو کوئے اور اُسے بُرا بھلا کہنے کی بجائے تحمل سے برداشت کرنا اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنی چاہیے۔

چوتھے نمبر پر اکثر ہم نے دیکھا ہے ہم میں سے اکثریت موسم کو کوستی دکھائی دیتی ہے۔ ذرا گرمی ہو جائے تو گرمی کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیتے ہیں۔ سردی زیادہ ہو یا بارشیں تھمنے کا نام نہ لے رہی ہوں تو ہم جلد آگیا کر موسم کو بُرا بھلا کہنے لگتے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے موسم کو بُرا بھلا کہنے سے منع فرمایا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”ہو اللہ کی رحمت ہے جو رحمت لاتی ہے اور عذاب لے کر آتی ہے، لہذا تم اسے بُرا بھلا مت کہو اور اللہ سے اس کی خیر کا سوال کرو اور اس کے شر سے پناہ طلب کرو“
(الادب المفرد، حدیث: 906)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بادلوں کو بُرا نہ کہو، کیونکہ یہ اللہ کی رحمت لے کر آتے ہیں۔

(صحیح مسلم حدیث 899)

پانچویں نمبر پر جہاں عدم برداشت نظر آتی ہے وہ سڑکیں ہیں۔ جن کا ذکر کئے بغیر شاید تقریر مکمل نہ ہو کیونکہ تیسری دنیا کے ممالک کے رہائشیوں کو جلدی، تیزی اور وقت پر پہنچنے کا خیال مین روڈ یا موٹروے پر گاڑی ڈال کر ہی آتا ہے۔ گھروں سے تاخیر سے نکلنے کا رواج عام ہے۔ مگر سڑکوں پر عدم برداشت کا مظاہرہ، ہارن بجانا، ٹریفک قوانین کو توڑنا معمول بن جاتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ مجھے کوئی نصیحت کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تو غصّ نہ کیا کر۔ اُس نے بار بار نصیحت کی درخواست کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مرتبہ یہی جواب دیا کہ غصّ نہ کیا کر۔

(بخاری کتاب الادب)

حضرت مصلح موعودؑ نے صبر و استقلال کے حقیقی مفہوم کو بہت کھول کر ہمارے سامنے پیش فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں:

”صبر کے معنی یہ ہیں کہ اگر تمہیں کوئی گالی دے تو تم اسے گالی نہ دو۔ اگر کوئی تم پر ظلم کرے تو تم اس وقت تک ظلم کا جواب نہ دو جب تک شریعت تمہیں جواب دینے کی اجازت نہیں دیتی۔ لیکن صبر کے یہ معنی نہیں کہ تم اپنا دفاع چھوڑ دو اور دین کے معاملے میں ذلت برداشت کر لو۔ کیونکہ اس طرح بہادری اور دلیری نہیں بلکہ بزدلی پیدا ہو جائے گی۔ صبر کے معنی یہ ہیں کہ انسان متواتر اور استقلال کے ساتھ ان بدیوں کا مقابلہ کرے جو اس کو اپنی طرف کھینچ رہی ہیں اور ان بدیوں کے مقابلہ کے لئے تیار رہے جو اس کو آئندہ پیش آنے والی ہوں۔ اسی طرح صبر کے ایک معنی یہ ہیں کہ انسان استقلال کے ساتھ اپنی نیکیوں پر قائم رہے جو اس کو حاصل ہو چکی ہوں اور ان نیکیوں کے حصول کے لئے کوشش کرے جو اس کو ابھی ملی نہیں۔“

(تفسیر کبیر جلد 2 صفحہ 115-116)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

”بعض لوگ بات بات پر غصّے میں آ جاتے ہیں۔ مغلوب الغضب ہو کر دوسروں کو نقصان پہنچاتے ہیں اور اپنے آپ کو بھی مشکل میں ڈال لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے یہ نصیحت خاص طور پر یاد رکھنے والی ہے۔“

(مشعل راہ جلد 5 صفحہ 127)

حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرت ابو بکرؓ کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا اور حضرت ابو بکرؓ چپ تھے آنحضورؐ اس محفل میں بیٹھے مسکراتے رہے۔ مگر جب اس شخص نے انتہا کر دی تو حضرت ابو بکرؓ نے جواباً کچھ کہہ دیا جس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہو کر چل پڑے۔ حضرت ابو بکرؓ نے وجہ

پوچھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک تم خاموش تھے۔ فرشتے تمہاری طرف سے جواب دے رہے تھے مگر جب تم نے جواب دینا شروع کیا تو فرشتے چلے گئے اور شیطان آگیا۔ میں شیطان کے ساتھ کس طرح بیٹھ سکتا تھا۔

(سنن ابی داؤد کتاب الادب)

تاریخ نے ایک اور سبق آموز واقعہ محفوظ کیا ہے جس میں لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے اسلام کو بُرا بھلا کہنے کی بناء پر لتھاڑا ہوا تھا اور آپؐ اُس پر حاوی تھے کہ اچانک اُس نے آپؐ کے چہرے پر تھوک دیا۔ آپؐ فوراً اُس سے یہ کہتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے کہ اب اس میں میری ذات شامل ہو گئی ہے۔ یہ تھامبر و برداشت کا اعلیٰ معیار جو صحابہؓ نے اپنایا۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح صحابہ کی تربیت فرمائی کہ ان کے جائز عضوں کو بھی عفو میں بدل دیا بلکہ ان کو احسان کرنے کے اسلوب سکھائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی حالت کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی اپنی ذات کی خاطر اپنے اوپر ہونے والی کسی زیادتی کا انتقام نہیں لیا۔

(صحیح بخاری کتاب المناقب)

آج کے معاشرے میں جہاں بُرائیوں کا احساس آہستہ آہستہ ختم ہوتا جا رہا ہے وہاں صبر، تحمل اور برداشت کی طاقت بھی کم ہوتی جا رہی ہے۔ ایک دوسرے کی غلطی کو معاف کرنے کا جذبہ دن بدن کم ہوتا جا رہا ہے۔ اسی وجہ سے اکثر رشتہ دار ایک دوسرے سے ناراض رہتے ہیں، میاں بیوی، بہن بھائیوں میں آپس میں جھگڑے ہیں حتیٰ کہ بعض اوقات ماں باپ کے ساتھ بھی ناراضگیاں ہیں۔ ہمسائیوں سے ذرا ذرا سی بات پر آن بن ہو جاتی ہے۔ ایک دوسرے کے ساتھ اگر بزنس میں شراکت داری ہے تو وہاں کئی ناچاقیاں چل رہی ہوتی ہیں۔ ایک دوسرے کو برداشت نہیں کرتے۔ بعض دفعہ بچے آپس میں لڑ پڑتے ہیں جن کی وجہ سے والدین ایک دوسرے سے غصہ میں آکر اپنی راہیں جدا کر لیتے ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوہ حسنہ تو ہمیں آپس میں بھائی چارے، صبر، تحمل اور برداشت کا سبق دیتا ہے جس سے معاشرے میں خوبصورتی پیدا ہوتی ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے جماعت کی دوسری صدی کے آغاز پر احباب جماعت کو پانچ اخلاق اپنانے کی تلقین فرمائی۔ اُس میں صبر و برداشت کے حوالے سے فرماتے ہیں۔

”آج کی جماعت احمدیہ اگر ان پانچ اخلاق پر قائم ہو جائے اور مضبوطی کے ساتھ قائم ہو جائے اور ان کی اولادوں کے متعلق بھی یہ یقین ہو جائے کہ یہ بھی آئندہ انہی اخلاق کی نگران اور محافظ بنی رہیں گی اور ان اخلاق کی روشنی دوسروں تک پھیلاتی رہیں گی اور پہنچاتی رہیں گی تو پھر میں یقین رکھتا ہوں کہ ہم امن کی حالت میں اپنی جان دے سکتے ہیں۔ سکون کے ساتھ اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر سکتے ہیں۔ اور یقین رکھ سکتے ہیں کہ جو عظیم الشان کام ہمارے سپرد کیے تھے ہم نے جہاں تک ہمیں توفیق ملی ان کو سرانجام دیا۔“

(خطبہ جمعہ فرمودہ 24 نومبر 1989ء)

وہ پانچ بنیادی اخلاق جو حضور رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خطبہ میں بیان فرمائے وہ اخلاق یہ ہیں:

1: سچائی۔ 2: نرم اور پاک زبان کا استعمال۔ 3: وسعتِ حوصلہ۔ 4: دوسروں کی تکلیف کا احساس اور اسے دور کرنا۔ 5: مضبوط عزم و ہمت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”ہم دنیا میں دیکھتے ہیں بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اگر ان سے ایک دوسرے عفو و درگزر کیا جائے اور نیک سلوک کیا جائے تو اطاعت میں ترقی کرتے اور اپنے فرائض کو پوری طرح سے ادا کرنے لگ جاتے ہیں۔ اور بعض شرارت میں اور بھی زیادہ ترقی کرتے اور احکام کی پرواہ نہ کر کے ان کو توڑ دینے کی طرف دوڑتے ہیں۔ اب اگر ایک خدمت گار کو جو نہایت شریف الطبع آدمی ہے اور اتفاقاً اس سے غلطی ہو گئی ہے اسے اٹھ کر مارنے اور پیٹنے لگ جائیں تو کیا وہ کام دے سکے گا، نہیں، بلکہ اسے تو عفو و درگزر کرنا ہی اس کے واسطے مفید اور اس کی اصلاح کا موجب ہے۔ مگر ایک شریر کو جس کا بارہا تجربہ ہو گیا ہے کہ وہ عفو سے سمجھا بلکہ اور بھی شرارت میں قدم آگے رکھتا ہے اس کو ضرور سزا دینی پڑے گی اور اس کے واسطے مناسب یہی ہے کہ سزا دی جاوے۔“

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 256)

پھر آپ علیہ السلام نے اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ”اس جماعت کو تیار کرنے سے غرض یہی ہے کہ زبان، کان، آنکھ اور ہر ایک عضو سے تقویٰ سرایت کر جاوے، تقویٰ کا نور اس کے اندر اور باہر ہو، اخلاق حسنہ کا اعلیٰ نمونہ ہو اور بے جا غصہ اور غضب وغیرہ بالکل نہ ہو میں نے دیکھا ہے کہ جماعت کے اکثر لوگوں میں غصے کا نقص اب تک موجود ہے۔ تھوڑی تھوڑی سی بات پر کینہ اور بغض پیدا ہو جاتا ہے اور آپس میں لڑ جھگڑ پڑتے ہیں ایسے لوگوں کا جماعت میں سے کچھ حصہ نہیں ہوتا۔ اور میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس میں کیا دقت پیش آتی ہے کہ اگر کوئی گالی دے تو دوسرا چپ کر رہے اور اس کا جواب نہ دے۔ ہر ایک جماعت کی اصلاح اول اخلاق سے شروع ہوا کرتی ہے۔ چاہئے کہ ابتداء میں صبر سے تربیت میں ترقی کرے اور سب سے عمدہ ترکیب یہ ہے کہ اگر کوئی بد گوئی کرے اس کے لئے درد دل سے دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ اس کی اصلاح کر دیوے اور دل میں کینے کو ہرگز نہ بڑھاوے جیسے دنیا کے قانون ہیں ویسے ہی خدا کا بھی قانون ہے، جب دنیا اپنے قانون کو نہیں چھوڑتی تو اللہ تعالیٰ اپنے قانون کو کیسے چھوڑے۔ پس جب تک تبدیلی نہیں ہوگی تب تک تمہاری قدر اس کے نزدیک کچھ نہیں، خدا تعالیٰ ہرگز پسند نہیں کرتا کہ حلم اور صبر اور عفو جو کہ عمدہ صفات ہیں ان کی جگہ درندگی ہو۔ اگر تم ان صفات حسنہ میں ترقی کرو گے تو بہت جلد خدا تک پہنچ جاؤ گے۔“

(ملفوظات جلد 4 صفحہ 100)

حضور انور فرماتے ہیں:

” معاشرے میں جب بُرائیوں کا احساس مٹ جائے تو ایسے معاشرے میں رہنے والا ہر شخص کچھ نہ کچھ متاثر ضرور ہوتا ہے اور اپنے نفس کے بارے میں، اپنے حقوق کے بارے میں زیادہ حساس ہوتا ہے اور دوسرے کی غلطی کو ذرا بھی معاف نہیں کرنا چاہتا، چنانچہ دیکھ لیں، آج کل کے معاشرے میں کسی سے ذرا سی غلطی سرزد ہو جائے تو ایک ہنگامہ برپا ہو جاتا ہے چاہے اپنے کسی قریبی عزیز سے ہی ہو اور بعض لوگ کبھی بھی اس کو معاف کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ اور اسی وجہ سے پھر خاوند بیوی کے جھگڑے، بہن بھائیوں کے جھگڑے، ہمسایوں کے جھگڑے، کاروبار میں حصہ داروں کے جھگڑے، زمینداروں کے جھگڑے ہوتے ہیں حتیٰ کہ بعض دفعہ راہ چلتے نہ جان نہ پہچان ذرا سی بات پہ جھگڑا شروع ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک راہ گیر کا کندھا ریش کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے ٹکرا گیا، کسی پر پاؤں پڑ گیا تو فوراً دوسرا آنکھیں سرخ کر کے کوئی نہ کوئی سخت بات اس سے کہہ دیتا ہے پھر دوسرا بھی کیونکہ اسی معاشرے کی پیداوار ہے، اس میں بھی برداشت نہیں ہے، وہ بھی اسی طرح کے الفاظ الٹا کے اس کو جواب دیتا ہے۔ اور بعض دفعہ پھر بات بڑھتے بڑھتے سر پھٹول اور خون خرابہ شروع ہو جاتا ہے۔ پھر بچے کھیلتے کھیلتے لڑ پڑیں تو بڑے بھی بلا وجہ بیچ میں کود پڑتے ہیں اور پھر وہ حشر ایک دوسرے کا ہو رہا ہوتا ہے کہ اللہ کی پناہ..... تو جب اس قسم کے حالات ہوں تو سوچیں کہ ایک احمدی کی ذمہ داری کس حد تک بڑھ جاتی ہے۔ اپنے آپ کو، اپنی نسلوں کو اس گھڑتے ہوئے معاشرے سے بچانے کے لئے بہت کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔ اور ہمارے لئے کس قدر ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم قرآنی تعلیم پر پوری طرح عمل کرنے کی کوشش کریں.... ایک بہت بڑا خلق تمہارا غصے کو دبانے ہے۔ اور لوگوں سے عفو کا سلوک کرنا ہے اور ان سے درگزر کرنا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم لوگوں سے عفو کا سلوک کرو گے معاف کرنے کی عادت ڈالو گے، اس لئے کہ معاشرے میں فتنہ نہ پھیلے، اس لئے کہ تمہارے اس سلوک سے شاید جس کو تم معاف کر رہے ہو اس کی اصلاح ہو جائے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسے لوگوں سے میں محبت کرتا ہوں۔ آج کل کے معاشرے میں جہاں ہر طرف نفسا نفسی کا عالم ہے یہ خلق تو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اور بھی پسندیدہ ٹھہرے گا اور آج اگر یہ اعلیٰ اخلاق کوئی دکھا سکتا ہے تو احمدی ہی ہے۔ جنہوں نے ان احکامات پر عمل پیرا ہونے کے لئے زمانے کے امام کے ہاتھ پر تجدید بیعت کی ہے۔“

(خطبہ جمعہ 20/ فروری 2004ء)

حضرت مسیح موعود قوت برداشت کے حوالہ سے احباب جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”جوش کے وقت اپنے آپ کو سنبھالنا چاہئے۔ دکھ تو ہوتا ہے مگر انسان ثواب پاتا ہے۔ اگر کوئی ہمیں برا کہتا ہے تو وہاں سے اٹھ گئے یا الگ ہو گئے۔ نہ سنا کہ جس سے جوش آوے اور فساد ہووے“

اللہ تعالیٰ ہمیں ان نصائح پر عمل کی توفیق دے۔ آمین

(کمپوزڈ۔ منہاس محمود۔ جرمنی)

